قسط ۱۲

حضرت العلام حافظ محمد صاحب گوندلوی
مدظلہ العالی

دوام حدیث

ایک اسلام

اس کے ابد صفحے پر لکھتے ہیں :

ابن حنبل نے چالیس ہزار احادیث جمع کیں - ان کے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی
کہ وہ ان احادیث کو روایت و درایت کے معیار پر پرکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے - امام
بخاری پہلے محقق ہیں جنہوں نے ۶ لاکھ احادیث (امام بخاری تک صرف چھ لاکھ پہنچی تھیں
ورنہ یحیٰی بن معین کو ۱۴ لاکھ احادیث کا علم تھا) میں سے صحیح احادیث کا انتخاب کرنے کے
لئے انتہائی کوشش کی - بعض اوقات ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی استخارے کئے -
یعنی جو کچھ انسانی طاقت میں تھا، انہوں نے کیا - لیکن جن احادیث کو مشتبہ سمجھ کر فاروق رضہ و
صدیق رضہ جلا رہے تھے، وہ اڑھائی سو برس بعد کیسے صحیح بن سکتی تھیں" (الجواب) یہ جو کچھ ذکر کیا
ہے، جھوٹ کا پلندہ ہے - امام احمد بن حنبل نے جو روایات لکھی تھیں، ان کو ان کی صحت و
سقم کا حال معلوم تھا - اسی لئے فرماتے ہیں، میں نے اس کتاب کو بطور معیار رکھا ہے - ان
کے مجموعہ کی یہ اصح حدیثیں تھیں اور ان کا مجموعہ بھی لاکھوں سے متجاوز تھا -

باقی رہی یہ بات کہ "یحیٰی بن معین کے نزدیک ۱۴ لاکھ احادیث تھیں اور بخاری کو صرف
چھ لاکھ معلوم ہوئیں"، اس کا رد پہلے ہو چکا ہے اور صدیق رضہ و فاروق رضہ کے احادیث جلانے
کی بھی تردید ہو چکی ہے -

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ:

"احادیث وضع کرنے والے بہت ہوگئے اور ہزاروں احادیث وضع کی گئیں"

مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ اگر واضعین اپنی جگہ احادیث کو وضع کرتے تھے تو ان کے مقابل محدثین کا ایسا گروہ بھی موجود رہا ہے جو کسی واضع کی دال نہیں گلنے دیتے تھے۔ کیونکہ معروفین اساتذہ کے شاگردوں کی احادیث مرویہ کی گنتی منضبط ہو چکی تھی۔ اسی واسطے دارقطنی نے اپنے زمانہ میں بغداد میں اعلان کیا تھا کہ کوئی شخص ذخیرۂ حدیث میں وضعی حدیث داخل نہیں کر سکتا کیونکہ وضعی حدیث بنانے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سند بناکے اور جب سند بیان کریگا تو اس کا کذب ظاہر ہو جائیگا۔

حدیث چونکہ ایک دینی بات تھی نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر اصحاب کتب تک اکثر تحریر میں منضبط ہو چکی تھی، خلفاء اس کی سرپرستی کرتے تھے، اسلامی حکومت کے دفعات میں اس سے مدد لی جاتی تھی، محدثین کا حافظہ انتہائی درجہ کا تھا، ایک ایک حدیث پر مکمل بحث ہوتی تھی —— ان وجوہ اور دیگر وجوہ کی بنا پر وضع کرنے والا دین میں ان کو داخل نہیں کر سکا۔ جن احادیث کو امت نے بالاتفاق صحیح کہا ہے، ان میں سے بعض میں بعض کلمات شاذہ کو مستثنیٰ کرنے کے بعد باقی سب مضامین قطعی ہیں۔ ان کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی طرح ہے جیسے قرآن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ امت میں بعض لوگ ایسے گذرے ہیں جو قرآن کو بھی محرف مانتے ہیں اور انکا خیال ہے کہ کچھ حصہ قرآن کا ضائع ہو گیا اور آپ نے لکھ مارا ہے کہ عراق کا قرآن حجاز کے قرآن سے الگ ہو گیا تھا۔ مگر باوجود اس کے صحیح بات یہی ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ آج مدارس میں ہزاروں بچے قرآن پڑھتے ہیں اور بہت سی غلطیاں کرتے ہیں اور بہت سے واعظ بہت سے مسائل قرآن کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ قرآن میں نہیں ہوتے ان واعظوں اور غلط قرآن پڑھنے والوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں سے متجاوز ہے مگر پھر بھی قرآن جوں کا توں ہے۔ اسی طرح جو حدیث بالاتفاق محدثین صحیح ہو اس کے متعلق محض اس بنا پر کہ واضعین بہت ہو گئے ہیں اور انہوں نے بہت سی احادیث وضع کی ہیں، یہ خیال نہیں کر سکتے کہ یہ بھی وضعی ہو گی۔ صحاح کی ہر حدیث کے متعلق ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے - صرف انہی احادیث کے متعلق کہہ سکتے ہیں جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے، جیسے بخاری ومسلم کی غیر تنقید شدہ روایات یا ان کے علاوہ متواتر اور اجماعی الصحت روایات ـــــ ان کے علاوہ باقی احادیث جن کی صحت پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے، ان کو قواعد قرآن کے مطابق، جن کا ذکر محدثین نے کیا ہے، پرکھ کر دیکھ سکتے ہیں - جن کی صحت کا ہمیں علم ہو، ان پر عمل کرنا فرض ہے بلکہ قرآن کا بھی یہی حال ہے - قرآن اصل میں اگرچہ متواتر ہے، مگر قرآن کی سب آیات سب کے علم میں تواتر سے نہیں آئیں - قرآن کے بہت سے مسائل جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، ان کے ہاں وہ مسائل متواتر نہیں - اگر کوئی صاحب علم جن پر ان کو اعتماد ہو، قرآن کے وہ مسائل سنائے تو لامحالہ ان پر عمل کرنا فرض ہوگا - اگرچہ وہ مسائل خبر واحد کے حکم میں ہیں - ضروری نہیں، قرآن کے احکام پر اس وقت عمل کیا جاوے، جب ان احکام کو بیان کرنے والے حد تواتر کو پہنچ جائیں - خبر واحد کا دروازہ بند کرنے سے سلسلہ تبلیغ بالکل بند ہوجاتا ہے - پس اس صورت میں لازم ہوجاتا کہ ایک ایک آدمی کے پاس قرآن کا ہر مسئلہ بیان کرنے کے لئے اتنے مبلغ پہنچیں کہ متواتر کی تعریف ان پر صادق آ سکے - صرف یہ کہہ دینا کہ یہ قرآن کا مسئلہ ہے اور قرآن کی فلاں سورت فلاں رکوع میں ہے، ایک شخص کے لئے متواتر نہیں بنا دیتا - اس طرح تو جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاوے اور آنحضرت صلعم چونکہ معصوم تھے، اس لئے وہ بات یقینی ہوجانی چاہیئے -

آگے لکھا ہے کہ فلاں کی حدیث جھوٹی ہیں، فلاں کی جھوٹی ہیں - مگر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی کہ فلاں حدیث جھوٹی ہے، ظاہر ہے بتانے والے محدثین ہی ہیں - پس محدثین کی قدر کرو اور ان کے مجموعوں کو بنظر عزت دیکھو -

تیسرے باب میں چند عجیب راوی وصحابہ کا ذکر کیا ہے - راوی وہی جن کو محدثین نے کذاب کہا ہے - چاہیئے تو یہ تھا کہ محدثین کی مدح اور حدیث کی حفاظت میں ان کا ذکر کرتے - مگر افسوس ہے کہ مصنف نے حدیث اور محدثین کی توہین میں ان کا ذکر کیا ہے -

۱۔ ایک حدیث بیان کی ہے جو کسی دشمن اسلام نے غسل جنابت کی فضیلت میں گھڑی ہے۔

۲۔ اس کے بعد ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک واعظ نے امام احمد اور یحییٰ بن معین کے واسطہ سے ایک جعلی حدیث بیان کی۔ جب ان دونوں اماموں نے واعظ سے اس حدیث کے بارہ میں لاعلمی کا اظہار کیا، تو اس نے کہا، "اس وقت سترہ احمد بن حنبل اور سترہ یحییٰ بن معین ہیں، تم کیا ہو!"

۳۔ قیس بن تمیم گیلانی چھٹی صدی ہجری کے راوی تھے، آپ کی پیشانی پر ایک داغ تھا، جس کے متعلق آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے خچر نے آپ کی پیشانی پر لات رسید کی تھی۔

توجیہ: مطلب یہ کہ آپ سوا پانچ سو برس پہلے موجود تھے۔

۴۔ اسحاق بن ابراہیم طوسی کہتا ہے کہ میں ہندوستان گیا۔ وہاں قنوج میں ہندوستان کے بادشاہ سربانک سے ملا، اس وقت اس کی عمر سات سو ستر برس تھی۔ الخ

۵۔ ابوسعید مظفر کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہند سربانک سے ملا اور اس نے مجھے بتایا کہ میں تین مرتبہ آنحضرتؐ سے ملا تھا، دو دفعہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں، اس کی عمر ۸۹۴ برس تھی۔" (تذکرۃ الموضوعات ص۱۰۲)

۶۔ علامہ ابن عسقلانی لسان المیزان میں مندرجہ ذیل داستان نقل فرماتے ہیں:
"۵۷۳ھ میں عبدالکریم بن نصر کسی جنگل میں شکار کے لئے گئے اور پھرتے پھراتے ایک جنگل میں جا پہنچے جس کے تمام باشندے اپنے آپ کو جبیر بن حرب کی اولاد بتلاتے تھے اور لطف یہ کہ جبیر بدستور زندہ تھا اور کہتا تھا کہ میں حضورؐ کے ساتھ جنگِ خندق میں شامل تھا۔"

۷۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص ابو عبداللہ محمد صقلی کو ملا، اس نے مجھے بتایا کہ میرے استاد کو حضرت علیؓ سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا اور یہ کہ اس کی عمر ۴۰۰ برس سے کچھ زیادہ تھی۔" (تذکرۃ الموضوعات ص۱۰۱) تعجب ہے کہ شاگرد صاحب ابن حجر کو یہ واقعہ سنانے کے لئے نویں صدی ہجری تک جیتے رہے۔

۸۔ علامہ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ بابا رتن ہندی کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی تھی لیکن

محدثین کی ایک خاص تعداد ان کو صحابی سمجھ کر اس سے احادیث بیان کرتی تھی۔ جب علامہ ذہبی نے بابا رتن کی روایات کو جھوٹا قرار دیا تو قاموس کے مصنف علامہ مجد الدین فیروز آبادی (وفات ۸۱۴ھ) کو اس قدر صدمہ پہنچا کہ انہوں نے علامہ ذہبی سے تمام تعلقات توڑ لئے۔ بابا رتن تین سو احادیث کے راوی ہیں۔

۹ - ایک اور حدیث نماز باجماعت کی فضیلت میں بیان کی ہے۔

۱۰ - ایک اور حدیث اس مضمون کی بیان کی ہے کہ جو غنی کی غنا کی وجہ سے عزت کرتا ہے، فقیر کی فقر کی بنا پر توہین کرتا ہے، اللہ کی لعنت میں ہمیشہ رہتا ہے۔

۱۱ - جو آل محمد سے بغض کرتا ہوا مرا، وہ کافر مرا۔

پھر کہتے ہیں، بابا رتن کی احادیث بیشک جھوٹی ہیں، مگر مضمون اچھا ہے۔

امام ذہبی کا خیال ہے کہ بابا رتن کی تمام روایات موسیٰ بن مجلی نے ۶۰۰ھ کے قریب وضع کی ہیں۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ آخری صحابی تھا جس کی وفات ۱۰۲ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

الجواب:

اس باب میں جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حفاظت حدیث کا کتنا بڑا انتظام کیا کہ جب کسی نے جھوٹ کہا، اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے محدثین کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ اور جن محدثین کی یہ داستانیں اور موضوعات لکھی ہیں، صحیح سمجھ کر نہیں لکھیں بلکہ بطور معرفت لکھی ہیں۔ بعض وقت محدثین بعض واقعات کو جن کا جھوٹ عیاں ہوتا ہے، قلمبند کرتے ہیں اور اس کی سند بھی ساتھ لکھ دیتے ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ان کی اسانید سے ان کا جعلی ہونا ثابت کیا جاسکے، استدلال کے لئے نہیں لکھتے۔ انہی اسانید کی بنا پر جو ان واقعات کے ساتھ لکھی جاتی ہیں، محدثین ان پر وضع اور جعل کا حکم لگاتے ہیں۔ اور بعض غلط فہمی میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اور اگر کوئی محدث کسی جعل ساز سے کسی وقت متاثر بھی ہوا ہے تو اس سے فن حدیث کا متاثر ہونا لازم نہیں آتا خصوصاً وہ محدثین جن کا زمانہ باقاعدہ تدوین حدیث کے بعد کا ہے۔

چوتھے باب میں وہ باتیں بیان کی ہیں، جو علماء نے ایک دوسرے کے بارہ میں کہی ہیں۔ ان باتوں کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

بعض وقت ایک عالم دوسرے عالم کو اپنے سے کم علم پاکر اس کے علم کی نفی کرتا ہے، اس سے حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ جیسے مائی عائشہ صدیقہ رضی نے فرمایا:

"انس اور ابو سعید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا علم نہیں، وہ دونوں چھوٹے بچے تھے" (مختصر جامع ص۱۹۷)

یعنی جتنا ہمیں علم ہے، اتنا ان کو علم نہیں تھا۔ یا جتنا اور کبار صحابہ کو علم ہے، اتنا ان کو علم نہیں۔

اور کبھی کبھی ایک عالم دوسرے عالم پر اس لئے طعن کرتا ہے کہ اس نے کوئی مسئلہ غلط کہا ہوتا ہے۔ جیسے ذکر ہے کہ جب ابو ہریرہؓ کی حدیث (کہ وتر حتمی چیز نہیں) عبداللہ بن عمرؓ کے آگے ذکر ہوئی، تو آپؓ نے فرمایا، ابو ہریرۃ نے غلطی کی ہے اور اس کے لئے "کذب" کے الفاظ استعمال کئے۔ کذب عربی زبان میں کبھی غلطی کو کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے، یہ کوئی طعن نہیں (جامع ص۱۹۷) ——— اور یہی مطلب مندرجہ ذیل واقعہ میں مائی صاحبہ کا ہے۔ جب ان کے آگے عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث پڑھی گئی:

"صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ واذا خشیت الصبح فواحدۃ"

کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب صبح قریب آجائے تو ایک رکعت وتر کرو۔

. . . تو آپؓ نے فرمایا:

"کذب ابن عمر"

کہ ابن عمر نے غلطی کی ہے (جامع ص۱۹۷)

یہاں بھی کذب کے معنے غلطی کرنے کے ہیں۔

اسی طرح جب ان کے آگے حضرت عمرؓ کی یہ حدیث کہ:

"ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ"

میت کو اس پر رونے سے سزا ملتی ہے۔

. . . جب حضرت عائشہ رضی کے سامنے بیان کی گئی تو آپؓ نے فرمایا، اللہ عمرؓ پر رحم کرے، کیا

اس نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی :

"ولا تزر وازرة وزر اخریٰ"

کہ کوئی شخص، دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس میں بھی مائی صاحبہ نے حضرت عمرؓ کی روایت بیان کرنے میں تنقید کی ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کے سننے میں غلطی ہوئی ہوگی۔ مگر قرآن اور اس حدیث میں موافقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ حدیث سے مراد وہ صورت لی جائے، جب مرنے والا اپنا فرض نہی عن المنکر نہ ادا کرتا ہو یا نوحہ کی وصیت کر جائے۔ اس صورت میں اس گناہ میں اس کی شرکت ہوگی۔ جیسے قرآن مجید میں ہے :

"ومن اوزار الذین یضلونہم بغیر علم" (النحل)

کہ ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو گمراہ کرتے ہیں۔

کیونکہ قرآن مجید کا حکم ہے :

"قوا انفسکم واھلیکم نارا" (التحریم)

کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ یعنی ان کو برے کام سے روکو۔ اگر نہ روکے گا تو فرض میں کوتاہی کی بنا پر قابل سزا ٹھیرے گا۔

اسی طرح جب مائی عائشہ صدیقہؓ کے سامنے ابن عمرؓ کی یہ حدیث بیان کی گئی :

"اطلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھل القلیب فقال ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقیل لہ اتدعو امواتا فقال ما انتم باسمع منھم ولکن لا یجیبون"

یعنی مقتولین بدر کی لاشیں جو ایک گڑھے میں ڈالی گئی تھیں، ان کو خطاب کر کے فرمایا کیا تم نے اللہ کے وعدے کو صحیح پایا؟ کسی نے کہا، کیا آپ مردوں کو پکار رہے ہیں؟ فرمایا، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، مگر وہ جواب نہیں دیتے!

... تو حضرت عائشہ رضؓ نے کہا، حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا :

"انھم لیعلمون الآن ان ما کنت اقول حق"

"وہ اب جانتے ہیں کہ جو میں نے انہیں کہا تھا، حق ہے۔"

"اور پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی :

"انك لاتسمع الموتیٰ"

کہ تم مردوں کو نہیں سنا تے " (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ رضؓ کا مطلب یہ تھا کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے روایت کے ضبط میں غلطی کی ہے۔ اصل یہ تھا کہ وہ جانتے ہیں، اس نے کہا کہ سنتے ہیں۔ کیونکہ سننے کا لفظ قرآن کے خلاف ہے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سننے کا لفظ بھی قرآن کے خلاف نہیں، صرف خاص وعام کا فرق ہوگا عام اور خاص میں تناقض نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں بہت سے احکام بعض جگہ عام الفاظ سے ادا کئے گئے ہیں اور دوسری جگہ ان کی تخصیص موجود ہے۔ جیسے بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے اور حاملہ کی عدت، خواہ بیوہ ہی ہو، وضع حمل ہے۔ (سورہ الطلاق)

اسی طرح سورہ بقرۃ میں مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔ مگر سورۂ احزاب میں، جس مطلقہ کے ساتھ خاوند کا تعلق مرد و عورت والا نہ ہوا ہو، اس پر کوئی عدت نہیں۔ اس قسم کی بہت سی آیات قرآن مجید میں ہیں۔

اسی طرح قرآن کی آیت عام مگر حدیث اہل قلیب کے ساتھ خاص ہے کہ اللہ نے ان کو سنا دیا جیسے قتادہؓ نے بیان کیا ہے (بخاری)

عروہ بن زبیر سے کسی نے کہا کہ بقول ابن عباس رسول کریم صلعم نبوت کے بعد تیرہ برس مکہ میں رہے تھے۔ وہ بولے "کذب" یعنی غلط کہا۔ کذب اس قول کو بھی کہتے ہیں جو واقعہ کے خلاف ہو ہر جگہ اس کے معنے "جھوٹ" کرنا مناسب نہیں۔

اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ابن عباس نے ایک شاعر سے یہ بات لی ہے۔ محققین نے ابن عباسؓ کی بات کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ عروہ تابعی ہے، صحابی نہیں۔ صحابہ کی فہرست میں اس کا ذکر مناسب نہیں۔ شاید ذو اسلام" والے عروہ کو صحابی سمجھ رہے ہیں۔

حضرت امام حسنؓ بن علی بن ابی طالب سے کسی نے شاہد و مشہود کی تفسیر پوچھی، جب آپ بیان کر چکے تو کہا گیا ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ نے غلطی کی ہے۔ اس جگہ بھی "کذبا" کے معنے غلطی کرنے کے ہیں۔ امام حسن کے خیال میں ان کی تفسیر صحیح نہ تھی۔ اس میں کسی حدیث کی تردید نہیں بلکہ ان کے قول کی تردید کی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں، ان کے علاوہ ہر شخص سے خطا کا صدور ممکن ہے۔

حضرت علیؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ مغیرہؓ بن شعبہ، عبادہؓ بن صامت ابو محمد مسعودؓ بن اوس انصاری بدری کی سب روایات جھوٹی ہیں" (دو اسلام ص ۹۷)

اس جگہ مصنف نے سخت غلطی کی ہے جامع میں یہ لفظ نہیں بلکہ یہ لفظ ہیں کہ حضرت علیؓ نے کہا " کذب المغیرۃ " (جامع ص ۱۸۹)

یعنی مغیرہ نے غلطی کی ہے، صرف مغیرہ کا نام ہے، عبادہ اور ابو محمد کا نام نہیں۔

یہ واقعہ الگ ہے جب ابو محمد نے کہا کہ وتر واجب ہیں تو عبادہ بن صامت نے کہا: " کذب ابو محمد "

یعنی ابو محمد نے وتر کو واجب کہنے میں غلطی کی ہے "

محمد بن جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہؓ کو عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث سنائی جس پر معاویہؓ کو سخت غصہ آیا اور لوگوں کو جمع کر کے کہا:

" بلغنی ان رجالا منکم یتحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولا تؤثر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاولئک جہالکم فایاکم والامانی التی تضل اھلھا " (بخاری)

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور نہ ہی تعلیمات قرآنی کے مطابق ہیں خبردار، تم ان جاہلوں سے بچو اور گمراہ کن آرزوؤں سے دور رہو" (دو اسلام ص ۹۸)

اس واقعہ میں بھی مصنف نے عبداللہ بن عمر ہی کا نام لیا ہے حالانکہ یہ عبداللہ بن عمرو ہے خیر یہ تو علمی بات ہے، ان کو اس سے کیا تعلق!

اب سنیے، عبداللہ بن عمرو نے ایک حدیث بیان کی تھی جس میں ایک قحطانی کی امارت کا ذکر تھا۔ امیر معاویہؓ نے یہ بات پہلی دفعہ سنی اور ان کو یہ حدیث یاد تھی کہ امارت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث آپ نے اس حدیث کے معارض پائی جو ان کی اپنی سنی ہوئی تھی۔ اور یہ فطری امر ہے کہ انسان اپنی سنی ہوئی بات کو زیادہ قوی سمجھتا ہے اور عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے بیان میں ایک سیاسی نقصان بھی تھا کہ سننے والے اگر قحطانی ہوں گے تو ان کے دل میں بھی امارت کا خیال پیدا ہونا شروع ہو جائے گا۔

قریش اور قحطان میں لڑائی شروع ہو جائے گی۔ اس مصلحت کی بنا پر بیان کرنے والے کو ناعاقبت اندیش کہا یعنے ایک تو بات غلط کہی، دوسرا اس امر کا خیال نہ کیا کہ اس پر کیا مفسدہ مرتب ہوگا مگر عبد اللہ بن عمرو کی حدیث ٹھیک ہے اور امیر معاویہؓ کی روایت کے معارض نہیں کیونکہ قریش کی امارت مؤقت امارت ہے، ابدی امارت نہیں۔ کیونکہ اس میں یہ شرط ہے، جب تک وہ دین کو قائم رکھیں۔ جب یہ شرط نہ رہے گی تو امارت بھی ان سے جاتی رہے گی۔ اس کے بعد قحطانی کی نوبت آسکتی ہے۔ اس واقعہ میں صرف امیر معاویہؓ کی خطا اجتہادی ہے اور نبی کے بعد کوئی معصوم نہیں، ہر ایک سے خطا ہو سکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حدیث جھوٹی تھی یا عبد اللہ عمرو نے جھوٹ بولا اور امیر معاویہ نے عبد اللہ بن عمرو کا نام نہیں لیا بلکہ رجالاً کہا ہے، جس کا مطلب ہے چند مرد، کیونکہ نام لینے میں توہین ہوتی ہے، تعریض سے کام لیا۔ ایسے خطابات میں جمع مفرد کی طرف خیال نہیں ہوتا۔

ملتِ اسلامیہ کا بیباک ترجمان

ماہنامہ **صدائے اسلام** پشاور

زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد یوسف قریشی صاحب مدظلہ العالی!

چند امتیازی خصوصیات:

- بلند پایہ علمی، دینی مضامین کا مرقع
- پرمغز اداریے
- عالم اسلام کے اتحاد کا نقیب
- مشاہیر اسلام کی روایات کا محافظ
- ہر قسم کے غیر شرعی رسومات پر ضرب گراں
- پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا داعی
- ہر قسم کے بے دین فتنوں کی سرکوبی کے لئے تیغِ بے نیام

آئیے! آپ بھی ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہو کر ہادئی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گلشن کی آبیاری کرکے ماجور عند اللہ ہوں!

سالانہ چندہ دس روپے
قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

مینجر ماہنامہ "صدائے اسلام" جامعہ اشرفیہ، پشاور